ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

مقالاتِ شبلی کے مختلف زاویے

Different Aspects of Shibli's Articles

محمد عثمان بٹ[i]

Abstract:

Shibli was one of the prominent figures of the twentieth century. His articles were scattered in different magazines, journals and newspapers of the subcontinent. Aligarh Gazette Institute, Deccan Review, Muarif, Tahzib ul Akhlaq and Al-Nadva Muslim Gazette were some renowned newspapers and journals in this regard. Syed Suleiman Nadvi, a noted student of Shibli; compiled his teacher's articles in eight volumes subject wise and published through Darul Musannafeen, Shibli Academy from Azam Garh. The articles of Shibli have a wide range of topics as he was a versatile personality. The topics of his articles in his eight volumes are related to religious, literary, educational, critical, historical, philosophical and miscellaneous affairs respectively. The debates on culture, history and language were his favourite topics throughout his writings and speeches. In this research article, analytical study of those articles have been presented which shows his unique style, depiction of his era and a lot of information on different subjects. Shibli's articles are as important as of his permanent books.

Keywords: *Shibli's Articles, Religious, Literary, Educational, Critical, Historical, Philosophical, Miscellaneous*

شبلی بیسویں صدی کی نمایاں شخصیات میں ایک اہم نام تھے۔ اُن کے مقالات برصغیر کے مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں بکھرے پڑے تھے جن میں علی گڑھ گزٹ انسٹی ٹیوٹ، دکن ریویو، معارف، تہذیب الاخلاق اور الندوۃ مسلم گزٹ وغیرہ شامل ہیں۔ شبلی کے نامور شاگرد سلیمان ندوی نے اپنے استاد کے بکھرے ہوئے مقالات کو موضوع کے اعتبار سے آٹھ جلدوں میں تقسیم کر کے دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔ شبلی کی شخصیت کی طرح اُن کے مقالات کے موضوعات میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ اُن کے مقالات کے موضوعات میں مذہبی، ادبی، تعلیمی، تنقیدی، تاریخی، فلسفیانہ اور متفرق نوعیت کے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ کلچر، تاریخ اور زبان اُن کی تحریروں اور تقریروں کے اہم مباحث ہیں۔ اِس تحقیقی مقالے میں شبلی کے مقالات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جو اُن کے منفرد اُسلوب کے ساتھ ساتھ اُس عہد کی تصویر کشی بھی کرتا ہے۔ مقالاتِ شبلی کی اہمیت اُن کی مستقل تصانیف سے کسی قدر کم نہیں۔

کلیدی الفاظ: مقالاتِ شبلی ، مذہبی ، ادبی ، تعلیمی ، تنقیدی ، تاریخی ، فلسفیانہ ، متفرق

ایک طرف ۱۸۵۷ء کی جنگ جب کہ دوسری طرف ۱۹۱۴ء کی جنگ اور اُن کا درمیانی عرصہ ایک ایسی شخصیت کی زندگی کا ہے جس نے اُردو زبان و ادب پر کئی حوالوں سے اَن مٹ نقوش چھوڑے۔ وہ نابغہ روزگار شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ مولانا شبلی نعمانی ہیں۔ اِس تحقیقی مقالے کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اِس کے پہلے حصے میں علامہ شبلی نعمانی کے مختصر سوانحی کوائف اور اُن کی نمایاں تصانیف و تالیفات کا

[i] پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور/پرنسپل، گورنمنٹ ہائی سکول الھڑ، سیال کوٹ

ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں "مقالاتِ شبلی" جو آٹھ جلدوں میں شائع ہوئے، اُن کا تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ تیسرے حصے میں اُن کے مقالات کا مجموعی جائزہ پیش کیا ہے۔ پہلا حصہ سرسری نوعیت پر مبنی، دوسرا حصہ ضروری وضاحت پر مشتمل اور تیسرا حصہ تجزیاتی و تنقیدی نوعیت کا ہے۔

اُردو زبان کے معروف محقق، مؤرخ، سوانح نگار، نقاد اور فلسفی شبلی نعمانی ۳ جون ۱۸۵۷ء کو بندول، اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ وہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کے والد کا نام شیخ حبیب اللہ وکیل اور والدہ کا نام قائمہ بی بی تھا۔ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۳ء تک اُنھوں نے ابتدائی تعلیم حکیم عبداللہ اور مولوی شکراللہ سے حاصل کی۔ ۱۸۷۳ء میں اُنھیں مدرسہ چشمۂ رحمت، غازی پور بھیج دیا گیا، جہاں اُنھوں نے مولانا فاروق چڑیا کوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۷۴ء میں رام پور چلے گئے، جہاں شبلی نے مولانا ارشاد حسین رام پوری سے اُصولِ فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۷۶ء میں سہارن پور گئے اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء میں اُنھوں نے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ شبلی ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ تشریف لے گئے، جہاں وہ ایم۔اے۔او۔ کالج علی گڑھ میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۲۰ جون ۱۸۸۳ء کو اُنھوں نے نیشنل سکول، اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی۔ اُسی سال شبلی نے پروفیسر آرنلڈ سے علومِ جدید کی آگاہی حاصل کی اور اُنھیں عربی سکھائی۔ شبلی نے سرسید اور علی گڑھ تحریک کی حمایت میں ایک مثنوی "صبحِ امید" کے عنوان سے ۱۸۸۵ء میں لکھی۔ وہ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ کے پہلے اجلاس میں شامل ہوئے۔

سرسید احمد خاں کی خواہش پر مولانا شبلی نعمانی نے ۱۸۸۷ء میں ایک رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" تحریر کیا۔ برطانوی حکومت نے اُنھیں ۱۸۹۴ء میں "شمس العلما" کے خطاب سے نوازا۔ اُسی سال مدرسہ فیضِ عام، کان پور میں تحریک ندوۃ العلما کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے اور اُس کی مجلس کا دستورالعمل مرتب کیا۔ ۱۸۹۶ء میں مولانا عبدالحق حقانی نے ندوۃ العلوم قائم کرنے کی تجویز پیش کی، جسے مولانا شبلی نعمانی کی تائید سے منظور کر لیا گیا۔ ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید نے وفات پائی اور مئی ۱۸۹۸ء میں شبلی نے علی گڑھ کالج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اعظم گڑھ چلے آئے جہاں اُنھوں نے شبلی منزل میں قیام کیا، جو آج کل دارُالمصنّفین ہے۔

۱۹۰۳ء میں شبلی انجمن ترقیِ اُردو کے معتمد مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں اُنھوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ دارالعلوم ندوہ کو وقف کر دیا۔ ۱۹۱۲ء میں شبلی نے "سیرت النبیؐ" کی تالیف کا اعلان کیا اور مجلسِ سیرت النبیؐ قائم کی۔ ۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو اُنھوں نے مولوی عبدالحکیم بندولی سے، جو "سیرت النبیؐ" کے مسودہ نویس تھے، ایک موٹا کپڑا منگوا کر مسودہ سیرت بندھوایا اور پھر ایک صندوق میں مقفل کرا دیا اور تاکید کی کہ اُسے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے علاوہ کسی کو نہ دینا۔ [۱] ۱۸ نومبر کو اسہال کے باعث علیل ہونے کے سبب مولانا انتقال فرما گئے اور شبلی منزل کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

مولانا شبلی نعمانی کی نمایاں اُردو تصانیف و تالیفات میں "المامون" (۱۸۸۷ء)، "صبحِ اُمید" (۱۸۸۹ء)، "سیرۃ النعمان" (۱۸۹۳ء)، "سفر نامۂ روم و مصر و شام" (۱۹۸۴ء)، "رسائلِ شبلی" (۱۸۹۸ء)، "الفاروق" (۱۸۹۹ء)، "الغزالی" (۱۹۰۲ء)، "علم الکلام" (۱۹۰۳ء)، "سوانح مولانا روم" (۱۹۰۶ء)، "موازنہ انیس و دبیر" (۱۹۰۷ء)، "شعر العجم (حصہ اول)" (۱۹۰۸ء)، "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" (۱۹۰۹ء)، "شعر العجم (حصہ دوم)" (۱۹۰۹ء)، "شعر العجم (حصہ سوم)" (۱۹۱۰ء)، "شعر العجم (حصہ چہارم)" [۲] (۱۹۱۲ء)، "نالہ شبلی (اُردو مجموعہ کلام)" (۱۹۱۳ء) اور "شعر العجم (حصہ پنجم)" (۱۹۱۸ء) شامل ہیں۔ شبلی نے ۱۹۱۴ء کے آغاز میں اپنی آخری تالیف "سیرت النبیؐ" کا دیباچہ لکھا، جس میں اُنھوں نے اِسے پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کا ذکر کیا تھا۔ مگر جب شبلی نعمانی کی وفات کے بعد اُن کے خاص شاگرد سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کے اِس عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنایا، تو اُنھوں نے اِسے سات جلدوں کی شکل میں ترتیب دے کر شائع کروایا۔

میرے خیال میں شبلی کی تحریروں میں اُن کا علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی انداز بیک وقت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اُن کے اُسلوب کی نمایاں خصوصیت اُن کا جان دار اور جوش سے بھرپور انداز ہے جس میں شبلی کے ہاں اکثر، تم جانتے ہو، تم غور کرو، تم انصاف کرو، تعجب ہے وغیرہ جیسے جملوں اور تراکیب کی گونج واضح سنائی دیتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی شاعر بھی تھے۔ اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں شبلؔی لیکن
حالِ دل دیکھیے اظہار نہ ہونے پائے[۳]

مولانا شبلی نعمانی کے مختلف مضامین و مقالات اُن کی زندگی میں "رسائلِ شبلی" اور "مقالاتِ شبلی" کے عنوان سے کتابی شکل میں سامنے آئے مگر یہ دونوں مجموعے نہایت محدود تھے۔ "رسائلِ شبلی" میں کل گیارہ مضامین شامل ہیں جن کے موضوعات میں اسلامی حکومت اور شفاخانے، اسلامی کتب خانے، حقوق الذمیین، جزیہ، مکینکس اور مسلمان، خطبہ، النظر فی السفر المؤتمر، کتب خانہ اسکندریہ، تراجم، اسلامی مدارس، اور قدیم تعلیم شامل ہیں۔ شبلی کے نزدیک تاریخی سلسلہ کے علاوہ اور جو مضامین اِس مجموعہ میں ہیں، اُن غلط فہمیوں کے متعلق ہیں جو یورپ میں اسلام اور اہل اسلام کی نسبت پھیلی ہوئی ہیں۔ [۴] "رسائلِ شبلی" میں کتابت کی جو غلطیاں رہ گئی تھیں اُنھیں دور کرنے کے لیے کتاب کے آخر میں اغلاط نامہ پیش کر دیا گیا تاکہ اُن اغلاط کی تصحیح ممکن ہو اور قاری کے لیے مطابقت قائم کرنے میں سہولت ہو۔

دوسری طرف "مقالاتِ شبلی" میں کل تیرہ مقالات شامل ہیں، جن کے موضوعات میں مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور ہمارے ہندو بھائیوں کی ناسپاسی، برج بھاشا اور مسلمان، موبدان مجوس (ہندوستان میں) اور سلطنتِ تیموریہ، معتزلہ و الاعتزال، علومِ جدیدہ: علم کی حقیقت، ابنِ رشد، الملل و النحل اور ابنِ حزم ظاہری، یونانی منطق کی غلطیاں، ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر، ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم، مآثر رحیمی اور عبدالرحیم خان خاناں، جہانگیر اور تُزکِ جہانگیری، اور علامہ ابنِ تیمیہ شامل ہیں۔ شبلی نعمانی کے یہ مقالات بنیادی طور پر علمی اور تاریخی نوعیت کے حامل ہیں، جن میں کچھ شخصیات پر سوانحی طرز کی مخصوص تحریریں بھی شامل ہیں۔

شبلی کے مذکورہ بالا دونوں مجموعوں "رسائلِ شبلی" اور "مقالاتِ شبلی" کے علاوہ اُن کے مختلف موضوعات پر سیکڑوں مضامین و مقالات کئی رسائل و جرائد اور اخبارات میں بکھرے پڑے تھے۔ اُن اخبارات و رسائل میں علی گڑھ گزٹ انسٹی ٹیوٹ، دکن ریویو، معارف علی گڑھ، تہذیب الاخلاق اور الندوہ مسلم گزٹ وغیرہ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کے اُن بکھرے ہوئے مضامین و مقالات کو موضوع کے اعتبار سے آٹھ مختلف جلدوں میں تقسیم کر کے شائع کروایا۔ یہاں ایک پہلو کی

وضاحت ضروری ہے کہ سید سلیمان ندوی نے مولانا شبلی نعمانی کے مقالات کی جو آٹھ جلدیں مرتب کی تھیں اُن میں "رسائلِ شبلی" میں شامل گیارہ مقالات اور "مقالاتِ شبلی" میں شامل تیرہ مقالات جو کہ شبلی کی حیات میں ہی مجموعوں کی صورت میں سامنے آ چکے تھے، کو بھی متعلقہ جلدوں میں شامل کر لیا تھا۔

"مقالاتِ شبلی" کے عنوان سے یہ آٹھوں جلدیں دارُالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ نے شائع کیں۔ مولانا شبلی کے اُن مقالات کو از سرِ نو ترتیب دینے میں سید سلیمان ندوی کے علاوہ شبلی کے دیگر شاگردوں میں مولانا مسعود علی ندوی اور مولانا معین الدین قدوائی کے نام نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ "مقالاتِ شبلی" کی یہ آٹھ جلدیں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء کے عرصہ میں پہلی دفعہ شائع ہوئیں، یعنی پہلی جلد ۱۹۳۱ء میں اور آخری جلد ۱۹۳۸ء میں منظرِ عام پر آئی۔ پہلی جلد میں مذہبی، دوسری میں ادبی، تیسری میں تعلیمی، چوتھی میں تنقیدی، پانچویں اور چھٹی میں تاریخی، ساتویں میں فلسفیانہ اور آٹھویں جلد میں شبلی کے متفرق مقالات شامل ہیں۔

شبلی کی تحریروں میں اُن کا بحیثیت مؤرخ ہونا جا بجا جھلکتا ہے۔ یہاں مضامین یا مقالات جیسی اصطلاحات ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال کی گئی ہیں اور "مقالاتِ شبلی" کے جدید طباعت پر مشتمل حالیہ ایڈیشنز کو مد نظر رکھا گیا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ ایڈیشنز یا تو جوں کے توں شائع کر دیے گئے ہیں یا پھر کسی جلد میں کچھ اضافے کیے گئے ہیں۔ اِن امور کی نشان دہی متعلقہ جلد کی ذیل میں کر دی جائے گی۔ جدید اشاعتوں کی ایک خاص بات اور بھی ہے کہ اِن میں سے اکثر کے آخر میں اشاریہ بھی مرتب کر دیا گیا ہے۔ دارُالمصنّفین نے جب ۲۰۰۹ء میں جدید طرز پر کتابوں کی اشاعت شروع کی تو اُنھوں نے سب سے پہلے اپنے بانی کی تمام کتابوں کو از سرِ نو شائع کیا۔

"مقالاتِ شبلی" کی پہلی جلد میں مذہبی مقالات شامل ہیں جس کی موجودہ جدید اشاعت ۲۰۱۵ء میں سامنے آئی۔ پہلی جلد کا بالکل مختصر دیباچہ ۱۹۳۱ء میں سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا تھا جس میں اُنھوں نے شبلی کے مقالات کو موضوع کے اعتبار سے آٹھ جلدوں میں مرتب کرنے کے منصوبے کا ذکر کیا۔ اُن کے ایسا کرنے کے نتیجہ میں شبلی کے مختلف رسائل اور اخبارات میں منتشر مقالات کو موضوعاتی طور پر مستقل جلدوں میں اکٹھا کر کے شائع کر دیا گیا۔ یہ وہی دور تھا جب سید سلیمان ندوی دارُالمصنّفین، اعظم گڑھ کے

ناظم تھے۔ پہلی جلد کے طبع جدید کا دیباچہ اُس وقت کے ڈائریکٹر، دارُالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، اشتیاق احمد ظلی نے لکھااور یہ بھی ایک نہایت مختصر تحریر ہے۔اِس میں اُنھوں نے دارُالمصنّفین کے آغاز میں طباعت کے مسائل کا حوالہ دیتے ہوئے شبلی کے مقالات کی آٹھوں جلدوں کو جدید طباعت کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت کاذکر کیا۔پہلی جلد کے کل صفحات کی تعداد دو سو چونسٹھ ہے۔

پہلی جلد میں اُنھوں نے جن مذہبی موضوعات اور زیریں موضوعات کا جامع انداز سے احاطہ کیا ہے، اُن میں تاریخ ترتیب قرآن، اختلاف مصاحف اور قرات، علوم القرآن، اعجاز القرآن، قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ قضاو قدر اور قرآن مجید، یورپ اور قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ، قرآن مجید کی تدوین کی کیفیت، تحریر وکتابت، مسائل فقیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر، وقف اولاد، فقہ میں وقف اولاد، مفتی بہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ہے، پریوی کونسل کے شبہات کا جواب، پردہ اور اسلام، الاسلام، رسالہ "اسلام" کا ترجمہ، پہلی فصل محمدؐ کی سچائی، عربوں کی صلح پسندی اور بے تعصبی، دولت فرانس اور اسلام، تعداد ازواج، مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیوں کر رہنا چاہیے؟ غیر قوموں کی مشابہت، خلافت، حقوق الذمیین، الجزیہ، اختلاف اور مسامحت، اور اختلاف کے ساتھ اتحاد شامل ہیں۔ آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے۔

جلد اول کی پچھلی اشاعتوں اور حالیہ اشاعت میں دو بنیادی فرق موجود ہیں۔پہلا فرق فہرست کی صورت میں ہے، یعنی موجودہ ایڈیشن میں مندرجات کی تعداد بتیس ہے جب کہ اِس سے والے ایڈیشنز میں اِن کی تعداد سولہ تھی۔ یہ فرق بنیادی طور پر اِس وجہ سے ہے کہ موجودہ اشاعت کی فہرست میں مقالات کے زیریں موضوعات کو بھی شامل کر دیا گیا ہے جو اِس سے قبل فہرست کا حصہ نہیں تھے مگر کتاب میں بہر حال موجود تھے۔ دوسرا فرق اشاریے کا ہے جو جدید ایڈیشن میں موجود ہے مگر اِس سے قبل پہلی جلد کی کسی اشاعت میں شامل نہیں تھا۔

شبلی نے نہایت اہم موضوع پر ایک مضمون قلم بند کیا جو "مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیوں کر رہنا چاہیے؟ کے عنوان سے سامنے آیا۔ اگر کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانوں کے ملک اور زمین پر قابض ہو جائے تو اُنھوں نے اُس صورت میں دو سوالات اُٹھائے ہیں۔ اول یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے یا

غاصبانہ۔ دوم مسلمانوں پر غیر مذہب حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہے یا نہیں۔[۵]اِن مباحث پر بات کرتے ہوئے اُنھوں نے فقہ میں موجود ایک مستقل باب بعنوان "باب استیلاء الکفار" سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اِس فقہی مسئلہ کے حوالے سے مولانا شبلی نعمانی کی مندرجہ ذیل رائے ملاحظہ ہو:

> "تم کو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ زریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیرِ اثر رہتے، اُس کے وفادار اور اطاعت گزار رہتے۔ یہ صرف اُن کا طرزِ عمل نہ تھا بلکہ اُن کے مذہب کی تعلیم تھی جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب میں کنایتاً اور صراحتاً مذکور ہے۔"[۶]

"مقالاتِ شبلی" کی دوسری جلد میں کل دس ادبی مضامین شامل ہیں جس کی موجودہ جدید طباعت ۲۰۱۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔ دوسری جلد کا نصف صفحے پر مشتمل نہایت مختصر دیباچہ سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا جس میں اُنھوں نے اِس جلد میں شامل مقالات پہلی دفعہ جن رسائل میں شائع ہوئے، اُن کا ذکر کیا ہے۔ اِس جلد کے کل صفحات کی تعداد ستانوے ہے جس کے طبع جدید کا دیباچہ اشتیاق احمد ظلی نے تحریر کیا جو کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ وہی ہے جو پہلی جلد کی جدید اشاعت میں شامل تھا۔ دوسری جلد میں شامل دس میں سے دو مقالات "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین" سے، ایک مقالہ "معارف" سے اور باقی "الندوہ" سے لیے گئے ہیں۔ اِن مقالات کی خاص بات محض اتنی ہی نہیں کہ یہ ادبی نوعیت رکھتے ہیں بلکہ اُن میں لسانی اور فکری زاویے بھی اُبھر کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جہاں تک لسانی حوالوں کا معاملہ ہے تو شبلی کے ہاں عربی اور دیگر سامی النسل زبانوں کے علاوہ اُردو زبان کے حوالے سے بھی مباحث ملتے ہیں۔

دوسری جلد میں ترتیب دیے گئے دس مقالات کے موضوعات میں "عربی زبان"، "فنِ بلاغت"، "نظم القرآن و جمہرۃ البلاغہ"، "شعر العرب"، "عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ"، "سر سید مرحوم اور اُردو لٹریچر"، "املا اور صحتِ الفاظ"، "اُردو ہندی"، "بھاشا زبان اور مسلمان" اور "تحفۃ الہند (ہندی صنائع و بدائع)" شامل ہیں۔ حالیہ اشاعت کی فہرست میں "فارسی شاعری کی ترجیحی خصوصیات" کا اضافی اندراج کیا گیا ہے، جو دراصل "عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ" کا حصہ ہے۔ اِس کے علاوہ پہلی جلد کی تمام اشاعتوں میں مواد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔

عربی زبان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شبلی نے سامی النسل زبانوں میں سے عربی، سریانی اور عبرانی زبانوں کا تقابل کرتے ہوئے عربی کو قدیم زبان قرار دیا ہے۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے زبانوں میں موجود مادے، افعال، الفاظ اور اُن کے اجزاے اصلیہ کا موازنہ پیش کیا ہے اور عربی کو ہر اعتبار سے قدیم زبان قرار دیا ہے۔ وہ عبرانی زبان کی قدیم ترین کتاب "سفر ایوب" کا ذکر کرتے ہوئے خیال ظاہر کرتے ہیں اُس میں عربی زبان کی کثرت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عربی زبان عبرانی سے قدیم ہے۔ اِسی حوالے سے بات کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

> "لیکن اِس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ تصنیفات کی حیثیت سے عربی زبان عبری (عبرانی) اور سریانی سے متاخر ہے اور یہ سچ ہے، کیوں کہ عرب میں علوم و فنون کا رواج بہت پیچھے ہوا ہے، لیکن اِس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ عربی زبان سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ کسی زبان کا وجود اور اُس میں تصنیفات کا وجود، دو مختلف امر ہیں اور دونوں میں کوئی لزوم نہیں۔"[۷]

"مقالاتِ شبلی" کی تیسری جلد میں کل گیارہ تعلیمی مقالات شامل ہیں جس کی حالیہ جدید اشاعت ۲۰۰۹ء میں ہوئی اور اِس جلد میں کوئی دیباچہ شامل نہیں ہے۔ ایک سو چھہتر صفحات پر مشتمل تیسری جلد کے موضوعات میں "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم"، "مدرسے اور دارالعلوم"، "قدیم تعلیم"، "ملا نظام الدین بانی درسِ نظامیہ"، "ندوہ اور نظامِ تعلیم"، "فن نحو کی مروجہ کتابیں"، "تعلیم قدیم و جدید"، "مشرقی کانفرنس"، "ریاست حیدرآباد کی مشرقی یونیورسٹی" اور "احیاء علوم عربیہ اور ایک ریڈیکل" شامل ہیں۔

"مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" ۱۸۸۷ء میں کتابچے کی شکل میں شائع ہوا تھا جو دراصل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۲۷ء دسمبر ۱۸۸۷ء بمقام لکھنؤ پڑھا گیا تھا۔ اپنے اِس مضمون میں اُنھوں نے بنیادی طور پر دو مباحث کی جانب توجہ دلائی ہے۔ اول یہ کہ مسلمانوں نے علوم و فنون کس طرح حاصل کیے اور دوم یہ کہ دنیا کی تمام قوموں کو اُن علوم کی کیوں کر تعلیم دی۔ یہ اُن کا ایک ضخیم مضمون ہے جس میں اُنھوں نے مختلف ادوار میں ہونے والے تراجم اور اُن کی صحت و غلطی پر روشنی ڈالی۔

عموماً مؤرخین کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ عباسی عہد کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے

تراجم کی بنیاد ڈالی تھی۔ مگر شبلی اِس حوالے سے مختلف خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اموی دور میں ایک عیسائی طبیب ابن آثال نے بعض یونانی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا اور یہ امیر معاویہ کا دور تھا۔ اِس ضمن میں وہ خالد بن یزید کو "حکیم بنی امیہ" قرار دیتے ہیں۔ اُس نے مریانس نام کے ایک رومی راہب سے کیمیا اور طب پڑھی تھی۔ اُس نے یونانی زبان دانوں کو جمع کیا اور ترجمے کی خدمت کی۔[۸] شبلی نے مختلف کتابوں کے عربی تراجم کی فہرست بھی یہاں پیش کی ہے، جسے کم و بیش اُنھوں نے "کشف الظنون" سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں چھے جلدوں کی صورت میں لندن سے شائع ہوئی تھی، جس میں پچاس ہزار کے لگ بھگ اسلامی کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

"مقالاتِ شبلی" کی چوتھی جلد میں کل سترہ تنقیدی مقالات شامل ہیں جس کی طبع جدید ۲۰۱۴ء میں ہوئی۔ اِس میں اشتیاق احمد ظلی کا تحریر کردہ نہایت مختصر دیباچہ شامل ہے جس میں وہی باتیں ہیں جن کا ذکر وہ پہلی دو جلدوں کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔ اِس جلد کے موضوعات میں "طبقات ابنِ سعد"، "مناقب عمر بن عبدالعزیز"، "بلاغات النّسا"، "عمر خیام کا جبر و مقابلہ"، "تجارب الامم ابن مسکویہ"، "لغت فرس"، "الفضل فی الملل و النحل ابن حزم"، "تفسیر کبیر امام رازی"، "کتاب الکافی فی الکحل"، "ہمایوں نامہ"، "مآثر رحیمی"، "تزک جہانگیری"، "النظر فی السفر المؤتر"، "تلفیق الاخبار"، "تمدنِ اسلام جرجی زیدان"، "معرکۂ مذہب و سائنس"، اور "ہومر کے الیڈ کا عربی ترجمہ" شامل ہیں۔ اِس جلد میں ایک طرف سوانحی طرز کے مضامین شامل ہیں تو دوسری جانب تحقیقی و تاریخی کتابوں پر تنقیدی جائزے بھی شامل ہیں۔

شبلی نے اپنے تنقیدی مضامین میں کئی بار یورپ کی علمی فیاضیوں کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ اِس حوالے سے میں شبلی کے مضامین سے چار مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔ پہلی مثال، اُنھوں نے ابنِ سعد کی تصنیف ''طبقات ابنِ سعد'' پر ایک مختصر مضمون قلم بند کیا جو واقدی کے شاگرد تھے۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں تھی جس کا مکمل نسخہ ناپید تھا۔ اپنی اِس کتاب میں ابنِ سعد نے حضور اکرم ﷺ سے لے کر اپنے زمانے تک کے لوگوں کے تراجم مع اُن کے حالات رقم کیے تھے۔ شبلی نے ایک جرمن پروفیسر ساخو کا حوالہ دیا ہے جس نے اِس کتاب کے متعدد نسخوں کی تصحیح اور تقابل سے اِسے شائع کیا۔ دوسری

مثال "گب میموریل سیریز" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ایک انگریز گب نے متعدد عربی اور فارسی زبان کی نایاب کتابیں ڈھونڈ کر شائع کیں جن کی شبلی نے فہرست بھی پیش کی ہے۔ تیسری مثال علامہ ابنِ مسکویہ کی تصنیف "تجارب الامم" کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ شبلی کے نزدیک اِس کتاب کا نسخہ جو یورپ نے بہم پہنچایا ۵۰۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ کتاب بمقام لیڈن ۱۹۰۹ء میں چھاپی گئی ہے۔[۹] شبلی واضح الفاظ میں یورپ کی علمی فیاضیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

> "ہم یورپ کی علمی فیاضیوں کا شکریہ ادا کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لیکن یورپ اپنی فیاضیوں سے نہیں تھکتا۔ عربی قدیم نادر تصنیفات کے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کرنے اور اُن کو شائع کرنے کا ذکر الندوہ میں بار بار آ چکا ہے، اب موقع ہے کہ فارسی سرمایہ کے مہیا کرنے کے متعلق جو کچھ یورپ کر رہا ہے کبھی کبھی اُس کے حالات بھی اِس علمی پرچے کے ذریعہ سے شائع کیے جائیں۔"[۱۰]

چوتھی مثال اسدی طوسی کی مرتبہ "لغت فرس" ہے جو ایک فارسی لغت ہے اور اِس میں اُنھوں نے صرف نادر اور غریب الفاظ ترتیب دیے ہیں۔ شبلی کے مطابق یورپ کے ایک مشہور مستشرق پاول ہارن نے آٹھ برس کی تصحیح و تحشیہ میں صرف کیے اور ۱۸۹۷ء میں اِس کو شائع کیا۔ اُس کے پاس جو قلمی نسخہ تھا، وہ محرم ۷۳۳ھ کا لکھا ہوا تھا۔[۱۱] مذکورہ چاروں مثالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی یورپ کے علمی و تحقیقی کارناموں کے نہ صرف معترف تھے بلکہ برملا انداز سے اُسے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بیان بھی کرتے تھے۔ اِس حوالے سے اُنھوں نے نہ صرف یورپ کے کارناموں کو عمومی انداز سے بیان کیا بلکہ کئی انگریز مستشرقین کی خدمات اور کارناموں پر تنقیدی مضامین بھی تحریر کیے۔

"مقالاتِ شبلی" کی پانچویں جلد میں کل نو تاریخی مقالات شامل ہیں جس کی موجودہ اشاعت ۲۰۱۵ء میں سامنے آئی۔ اِس جلد کا مختصر دیباچہ سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا جس میں اُنھوں نے شبلی کے تاریخی مقالات کو ضخامت کے باعث دو حصوں میں مرتب کرنے کے منصوبے کا ذکر کیا۔ یعنی شبلی کے مقالات کی پانچویں جلد اُن کے تاریخی مقالات کے پہلے حصہ پر مشتمل ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے

شبلی کے مختلف اسلامی شخصیات پر تحریر کردہ سوانحی طرز کے مقالات کو شامل کیا ہے۔ دوسری طرف تاریخ کے مسائل و مباحث پر مبنی شبلی کے مضامین و مقالات کو اِسی سلسلے کے دوسرے حصے کے طور پر اگلی جلد میں مرتب کیا گیا ہے۔ طبع جدید کا وہی پہلے والا اشتیاق احمد ظلی کا تحریر کردہ مختصر دیباچہ یہاں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اِس جلد کے کل صفحات کی تعداد ایک سو چونسٹھ ہے۔

جہاں تک اِس جلد کی مختلف اشاعتوں کے درمیان فرق کا معاملہ ہے تو موجودہ ایڈیشن کے آخر میں اشاریہ شامل کر دیا گیا ہے جو اِس سے قبل دیگر اشاعتوں میں موجود نہیں تھا۔ اِس اشاریے کو کلیم صفات اصلاحی، رفیق دارُالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ نے مرتب کیا ہے۔ شبلی کے حوالے سے یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک تاریخ دان تھے اور باقی تمام شعبوں میں اُن کا فن عمومی اور سرسری نوعیت کا تھا۔ جہاں تک شبلی کے مؤرخ ہونے کا معاملہ ہے تو اِس میں کوئی دورائے نہیں کہ اِس فن کے وہ ماہر تھے مگر اِس کے ساتھ ہی ساتھ اُن کے ہاں ادبی، تنقیدی، لسانی، سماجی، مذہبی، تعلیمی، فلسفیانہ، تہذیبی و ثقافتی اور دیگر کئی ایک حوالے ملتے ہیں۔ اِس ضمن میں سید سلیمان ندوی شبلی کے فنِ تاریخ اور مذکورہ تاثر کے حوالے سے شبلی کی اِسی تاریخی مقالات والی جلد کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "مقالاتِ شبلی کے جو حصے اِس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اُن سے اگرچہ اِس غلط خیال کی تردید ہو چکی ہے کہ مولانا شبلی مرحوم تاریخ کے سوا اور کوئی فن نہیں جانتے تھے، تاہم اِس میں شبہ نہیں کہ تاریخ اُن کا خاص فن تھا اور تاریخی کتابوں کے علاوہ اُنھوں نے بہت سے تاریخی عنوانات پر نہایت کثرت سے مضامین لکھے تھے۔"[۱۳]

اِس جلد میں شامل سوانحی طرز کے تاریخی مقالات کے موضوعات میں "حضرت اسما"، "المعتزلہ والاعتزال"، "ابنِ رشد"، "علامہ ابنِ تیمیہ حرانی"، "متنبّی"، "موبدانِ مجوس (ہندوستان میں)"، "زیب النّسا"، "مولوی غلام علی آزاد بلگرامی" اور "فریدی وجدی بک" شامل ہیں۔

"مقالاتِ شبلی" کی چھٹی جلد بھی تاریخی مقالات پر مشتمل ہے جس کی موجودہ اشاعت ۲۰۱۵ء میں ہوئی۔ یہ جلد بنیادی طور پر پچھلی جلد کے تسلسل کے طور پر سامنے آئی، یعنی یہ شبلی کے تاریخی مقالات کا

دوسرا حصہ ہے اور اِس میں کوئی دیباچہ شامل نہیں ہے۔ اِس میں شامل تاریخی مقالات کی کل تعداد سات اور کل صفحات کی تعداد ایک سو نوے ہے۔ مقالات کے موضوعات میں "تراجم"، "کتب خانہ اسکندریہ"، "اسلامی کتب خانے"، "اسلامی حکومتیں اور شفا خانے"، "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر"، "مسلمانوں کی علمی بے تعصبی اور ہمارے ہندو بھائیوں کی ناسپاسی" اور "مکینکس اور مسلمان" شامل ہیں۔ اِن میں سے پہلے چار مقالات "رسائلِ شبلی" میں اور اگلے تین مقالات، "مقالاتِ شبلی" کے عنوان سے شبلی کی حیات میں سامنے آنے والے مجموعوں میں شامل تھے۔

فاتح قوم لازماً مفتوح اقوام کے تمدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اِس حوالے سے شبلی نے اپنے مضمون "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر" میں تیموریہ دورِ حکومت کے دوران ہندوستان پر اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اِس ضمن میں شبلی نے صنعت و مصنوعات، بندوبستِ اراضی اور پیمائش، افزائش و ترقی حیوانات، عمارات، سڑکیں اور دیگر رفاہِ عامہ کے کام اور توپ کی مختلف اقسام وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ تراجم کے تناظر میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے شبلی نے پہلے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں ہونے والوں کاموں کا جائزہ پیش کیا، پھر مترجمین زبان فارس، مترجمین زبان سریانی، مترجمین زبان سنسکرت، مترجمین زبان یونانی و لاطینی و نیز سریانی کے عنوان سے فہرستیں مرتب کی ہیں جس کے لیے اُنھوں نے ابن الندیم کی "کتاب الفہرست" سے استفادہ کیا ہے۔ اِس کے بعد اُنھوں نے ترجمہ کا طریقہ اور اُس کی صحت پر بات کی ہے۔ شبلی نے مسلمانوں کا یونانی علوم سے بے بہرہ ہونا اُن کی بد قسمتی قرار دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اِس معاملے میں مسلمانوں کو یورپ پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

تراجم اور اِس سے متعلق دیگر مباحث کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شبلی نے مسلمانوں کی یورپی تقلید کا ذکر کیا مگر ساتھ ہی اِس خیال کا اظہار بھی کیا کہ عربی تراجم میں الفاظ سازی اور اصطلاحات سازی پر کام کی وجہ سے ترجمہ غلامی سے پاک نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے منطق، فلسفہ اور دیگر کئی شعبوں میں عربی کے بہت سے الفاظ تشکیل دے کر اُن کو رواج دیا۔ اِس ضمن میں شبلی کی رائے ملاحظہ ہو:

> "ترجموں کی صحت اور غلطی کا تو ہم مجتہدانہ فیصلہ نہیں کر سکتے اور اِسی وجہ سے
> ہم نے اِس بحث میں صرف یورپ کی تقلید کی لیکن یہ امر ہر شخص کو صاف

نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے ترجمہ کو اصل زبان سے کس قدر آزاد کر دیا۔ آج انگریزی زبان کس قدر وسیع ہو گئی ہے لیکن علمی اصطلاحات میں وہی تمام یونانی الفاظ قائم ہیں۔ اگرچہ اِس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ تمام یورپ میں مشترک اصطلاحوں کا قائم رہنا ضرور ہے اور وہ بغیر اِس کے نہیں ہو سکتا کہ یونانی الفاظ بعینہٖ قائم رکھے جائیں۔ بہرحال عربی ترجمے اِس غلامی سے بالکل بری ہیں۔ منطق، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، طب میں ہزاروں اصطلاحی الفاظ تھے لیکن اِن سب کے مقابل میں عربی کے ایسے مناسب الفاظ انتخاب کیے گئے کہ گویا یہ علوم اِسی زبان میں پیدا ہوئے تھے۔"[۱۳]

"مقالاتِ شبلی" کی ساتویں جلد میں کل بارہ فلسفیانہ مقالات شامل ہیں جس کی موجودہ اشاعت ۲۰۱۴ء میں ہوئی۔ اِس میں بھی اشتیاق احمد ظلی کا وہی پچھلی جلدوں والا دیباچہ شامل ہے۔ اِس جلد کے کل صفحات کی تعداد ایک سو تیرہ ہے۔ ایک مقالہ "فلسفۂ یونان اور اسلام" کے موضوع پر شامل ہے جب کہ اگلے دو مقالات پہلے کے تسلسل میں "یونانی منطق کی غلطیوں" پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چوتھا مقالہ اِسی تسلسل کے ساتھ ''اجرامِ فلکی" پر بحث کرتا ہے۔ اگلے موضوعات میں "فلسفۂ اسلام اور فلسفۂ قدیم و جدید"، "علومِ جدیدہ (علم کی حقیقت)"، "جذب یا کشش"، "فلسفۂ اسلام (مسئلہ ارتقا اور ڈارون)"، "ڈاکٹر برٹن اور تاریخ فلسفۂ اسلام"، "فلسفہ اور فارسی شاعری"، "حقائق اشیا اور معشوق حقیقی" اور "ندوۃ العلما کا اجلاس سالانہ اور علمی نمائش گاہ" شامل ہیں۔ آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جو اِس سے قبل اشاعتوں میں موجود نہیں تھا۔ اِس اشاریے کو دارُالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے ابو سعد فلاحی اور محمد شریف نے مرتب کیا ہے۔

شبلی نے "فلسفۂ یونان اور اسلام (یونانی منطق کی غلطیاں)" پر خیال ظاہر کرتے ہوئے ارسطو کے پیش کردہ منطق کے آٹھ اجزا کی بات کی اور پھر حکمائے اسلام نے اُن میں جو ترامیم و اضافہ جات کیے، وہ اُنھوں نے بیان کیے۔ آگے چل کر اُنھوں نے یونانی منطق پر حکمائے اسلام کی جانب سے لگائے جانے والے اعتراضات جامع انداز سے پیش کیے اور اُنھیں کس انداز سے غلط اور غیر ضروری ثابت کیا گیا، اُس پر بھی روشنی ڈالی۔ علامہ شبلی نعمانی نے فلسفۂ یونان کے ساتھ ساتھ حال کے فلسفہ کو بھی بیان کیا اور ساتھ ہی

ساتھ اِن دونوں کا تعلق مسلمانوں کے فلسفہ سے جوڑ کر پیش کیا۔ اِس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> "ہمارے علما کو فلسفۂ حال سے جو علاحدگی یا نفرت ہے، اُس کی وجہ عام لوگ مذہبی تعصب قرار دیتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے علما جن علوم و فنون کے تعلّم و تعلیم میں شب و روز مصروف ہیں، یعنی منطق، فلسفہ، ریاضی، وہ بھی دوسری ہی قوموں کے علوم و فنون ہیں اور خود علما بھی جانتے ہیں کہ یہ سرمایہ ہمارا نہیں بلکہ اوروں کا ہے۔" [۱۴]

اپنے مضمون "ڈاکٹر برٹن اور تاریخ فلسفہ اسلام" کے تناظر میں بات کرتے ہوئے شبلی نے ڈاکٹر برٹن کی کتاب "درجات الفلسفۃ فی الاسلام" کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ اُس میں اُنھوں نے فلسفۂ اسلام کے چار ادوار کا ذکر کیا ہے جن میں متکلمین، فلاسفہ، طبیعیین اور صوفیہ شامل ہیں۔ پھر آگے چل کر فلاسفہ کے چار ادوار پیش کیے ہیں۔ شبلی کے خیال میں اسلامی فلسفے کا تعلق یونانی فلسفے کی بجائے فلسفۂ حال کے ساتھ زیادہ قریبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ارسطو کے فلسفے سے زیادہ اختلاف ظاہر کیا ہے۔

آخر میں شبلی نے ۱۴/اپریل ۱۹۰۶ء کو بنارس میں منعقد ہونے والے ندوۃالعلماکے سالانہ اجلاس کا ذکر کیا ہے جس میں نادر اور نایاب سرمائے کی علمی نمائش بھی کی گئی۔ اِس سرمائے کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن میں فرامین و توقیعات شاہی، نادر الوجود کتابیں، نہایت قدیم زمانہ کی لکھی ہوئی کتابیں، مشہور خطاطوں کے خط کے نمونے، مصنفین کے ہاتھ کے مسوّدے، سلاطین اور امرا کے ہاتھ کی تحریریں، اور فنِ بلاغت کا پورا سلسلہ شامل تھے۔ اجلاس کے آخر میں ندوہ کے سیکریٹری کی جانب سے فارسی شاعری کا پورا سلسلہ پیش کیا جانا تھا جو وقت کی کمی کے باعث اگلے سال کے اجلاس میں شامل کر لیا گیا۔

"مقالاتِ شبلی" کی آٹھویں جلد میں مذہبی، علمی و تاریخی، تعلیمی، سیاسی اور متفرق مضامین و مقالات شامل ہیں، جس کی موجودہ جدید اشاعت ۲۰۱۷ء میں ہوئی۔ اِس جلد کا ساڑھے چھ صفحات پر مشتمل دیباچہ سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا تھا، جب یہ آخری جلد ۱۹۳۸ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی۔ حالیہ اشاعت میں پانچ کی بجائے چار زمروں میں شبلی کے مضامین کو تقسیم کیا گیا ہے، مگر مندرجات میں سے کسی ایک شے کو بھی کم یا زیادہ نہیں کیا گیا۔ صرف علمی و تاریخی زمرے کو ختم کر کے اُسے مذہبی حصے میں

ضم کر دیا گیا ہے۔ آخر میں اِس جلد کا اشاریہ بھی ترتیب دیا گیا ہے، جو اِس سے پہلے والے ایڈیشنز میں نہیں تھا۔ اِس اشاریے کو توقیر احمد ندوی، رفیق دارُالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ نے مرتب کیا ہے۔ آخری جلد کے کل صفحات کی تعداد دو سو بارہ ہے۔

مذہبی، علمی اور تاریخی حوالے سے نمائندہ موضوعات میں صیغۂ اشاعتِ اسلام، نو مسلم راجپوت اور اشاعتِ اسلام، مذہبی ضروریات کا اہتمام، مدافعت کا انتظام، اشاعت کا انتظام، انجمن کا انتظام، کونسل کے قواعد، پالیٹکس سے علیحدگی، کارروائی انجمن وقف علی الاولاد (زیرِ حمایت ندوۃ العلما)، اوقافِ اسلامی، میموریل متعلقہ نمازِ جمعہ، آنحضرت ﷺ کی مفصل اور مستند سوانح عمری مرتب کرنے کی تجویز، ابنِ رشد، المامون، اشاعت کتب قدیمہ، انگریزی قرآن مجید کا ترجمہ اور ندوۃ العلما، مجلس علمِ کلام، اثبات واجب الوجود، عملی کام، فنِ بلاغت اور فارسی شاعری کی تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔ تعلیمی حوالے سے نمائندہ موضوعات میں ندوۃ العلما، زندہ زبیدہ خاتون، جلسۂ دستار بندی ندوۃ العلما، مصر کی یونیورسٹی، مولانا عبدالحیٔ، اصلاح ندوہ اور ہمدرد، اور علمی گروہ وغیرہ شامل ہیں۔ سیاسی حوالے سے نمائندہ موضوعات میں مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ، ہندو مسلمانوں کا اتحاد، مسئلہ آرمینیا وغیرہ شامل ہیں۔ آخری حصے کے متفرق نمائندہ موضوعات میں اضلاع سرحدی کا مختصر دورہ، مولانا حالی کی ذرہ نوازی، اور نواب محسن الملک مرحوم شامل ہیں۔

شبلی کے مقالات کی آخری جلد کی خاص بات یہ ہے کہ اِس میں کئی ایسے مضامین شامل ہیں جو نہایت مفید تجاویز اور منصوبوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک کو اُنھوں نے خود پورا کیا، کچھ منصوبے اُن کے بعد پورے ہوئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو صرف منصوبوں کی حد تک رہ گئے۔ اشاعتِ اسلام کے حوالے سے شبلی نے خاصا کام کیا اور اِس ضمن میں اُنھوں نے سید سلیمان ندوی کو قومی خدمت کی تعلیم کے لیے مددگار ناظم مقرر کیا۔ وقفِ اولاد کے حوالے سے ایک اہم فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو اپنی اولاد پر وقف کر دے جس کی غرض یہ ہو کہ اصل جائیداد ہمیشہ محفوظ رہے اور اُس کے منافع سے اولاد ہمیشہ متمتع ہوتی رہے یہ وقف شرعاً جائز اور صحیح ہو گا، یعنی اِس جائیداد کو کبھی کوئی شخص فروخت اور منتقل اور ضائع نہیں کر سکے گا اور اُس کے منافع سے اُس شخص کی اولاد کا سلسلہ جب تک دنیا میں قائم رہے گا،

متمتع ہوتا رہے گا۔[۱۵] انگریز سرکار نے کچھ خاندانوں کے باعث وقفِ اولاد کو باطل قرار دے دیا۔

سر سید احمد خاں بھی وقفِ اولاد کی بحالی کے حوالے سے کوشش کرتے رہے مگر وہ اِس مسئلے کے حل میں کامیاب نہ ہو سکے جب کہ شبلی کی کوششوں سے انگریز حکومت نے اِسے تسلیم کر لیا۔ اِس ضمن میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی تحریک کی بدولت اسمبلی نے اِسے قانون کی حیثیت سے منظور کر لیا۔ اِسی طرح نمازِ جمعہ کی تعطیل کے مسئلے کو شبلی نے اُٹھایا اور حکومت سے نمازِ جمعہ کے مقررہ مخصوص وقت کی تعطیل کو منوا لیا۔ مولانا شبلی کی مختلف تجاویز اور منصوبوں میں سب سے بڑھ کر سیرت النبی ﷺ کا عظیم الشان منصوبہ تھا جسے اُنھوں نے اور بعد ازاں اُن کے شاگردِ عظیم سید سلیمان ندوی نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ وہ اُس دور میں عالمِ اسلامی کے اتحاد کے اولین سفیر تھے۔ مسئلہ آرمینیا پر اُن کا مضمون اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ شبلی کا ایک اہم مضمون جو اُنھوں نے "مسلمانوں کی پولیٹیکل کروٹ" کے عنوان سے لکھا تھا، اُس میں اُنھوں نے تقسیمِ بنگال کی تنسیخ، طرابلس و بلقان اور مسجد کان پور کے ہنگاموں کی بدولت پیدا ہونے والی ہنگامی صورت حال کو نہایت موثر انداز سے پیش کیا۔ کان پور مسجد کے ہنگامے ۱۹۱۲ء پر اُنھوں نے ایک نظم لکھی جس نے مسلمانوں میں جوش و جذبے کا سامان پیدا کیا، اُس نظم کا آخری شعر ملاحظہ ہو:

پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا
ہم کشتگانِ معرکہ کان پور ہیں [۱۶]

شبلی کی دیگر اہم تجاویز میں انگریزی ترجمہ قرآن، دارُالمصنّفین کا قیام، ندوہ کی تعمیرات، مخالفین اسلام کے مقابلہ میں مذہبی ضرورت، مدافعت، اشاعت، اندرونی ضروریات مذہبی کا انتظام، ایک عام انجمن اور اُس کی شاخوں کی ضرورت، نو مسلموں کو دوبارہ ہندو ہو جانے سے بچانا اور قدیم عربی کتابوں کی اشاعت کی تجویز وغیرہ شامل ہیں۔

فنِ تاریخ نگاری کے بارے میں واضح نقطۂ نظر رکھنا اور اپنے تاریخی مضامین و مقالات میں اُنھیں برتنا، شبلی کا ہی خاصا تھا۔ اُنھوں نے تاریخ کی جس تعریف سے استفادہ کیا، اُس کے مطابق فطرت کے واقعات نے اِنسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور اِنسان نے عالمِ فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، اُن کے مجموعے کا نام تاریخ ہے۔[۱۷] مہدی افادی نے بجا طور پر مولانا شبلی نعمانی کو "تاریخ کا معلم اول" قرار دیا ہے۔ شبلی

ابنِ خلدون سے پہلے گزرنے والے مؤرخین پر کسی نہ کسی حوالے سے تنقید کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر ابنِ خلدون کو "فلسفۂ تاریخ کا بانی" قرار دیتے ہیں۔ اُنھوں نے قدیم تاریخوں کے نہ صرف نقائص بیان کیے بلکہ اُن کے اسباب بھی جامع انداز سے درج کیے۔ شبلی کے "سیرت النبیؐ" کے عظیم الشان منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے علاوہ "مقالاتِ شبلی" کو آٹھ مختلف جلدوں میں موضوعات کے اعتبار سے مرتب کرنا سید سلیمان ندوی کا ایک اہم کارنامہ ہے ورنہ آج ہم شبلی کے اُن عظیم مضامین و مقالات تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو پاتے۔

شبلی نے جہاں مغرب کی تحقیقی خدمات کو کھلے دل سے سراہا ہے، وہیں اُن پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کیا بلکہ اُن کی تحقیقی غلطیوں کی جانب نشان دہی بھی کی ہے۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے نزدیک شبلی یورپ کے علوم و فنون کے مداح اور خوشہ چیں ضرور تھے مگر اندھے مقلد نہ تھے۔ [۱۸] مولانا کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اُن کی کتابوں اور تحریروں پر جو تنقید ہوتی تھی، وہ اُن پر کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ اُنھیں اپنے مقصد کی برتری کا یقین تھا اور یہ یقین اُن کی تحریروں میں جا بجا جھلکتا ہے۔ شبلی نے اپنے زمانے میں ہر اُس موضوع پر لکھا جس کی اُنھوں نے حالات کے تحت ضرورت محسوس کی۔ ماضی کا بیان ہو یا حال کا تذکرہ، ماضی کے کارناموں سے ہوتے ہوئے حال کے مسائل کی اُلجھنوں کا معاملہ ہو یا ابتر حال سے خوش کن مستقبل کی تجاویز اور منصوبوں کی پیش کش ہو، شبلی نعمانی ہر معاملے میں پیش پیش رہے۔ میرے نزدیک شبلی کے مضامین، مقالات اور خطبات اُن کی مستقل اُردو تصانیف سے کچھ کم رتبہ نہیں رکھتے۔ آخری بات یہ کہ "مقالاتِ شبلی" اپنے موضوعات اور اُسلوب کے اعتبار سے اپنا جواب آپ ہیں۔

حواشی

۱۔ شبلی نعمانی، مجموعہ کلامِ شبلی (لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۰ء)، ص۱۱۶۔

۲۔ محمد الیاس اعظمی، "مولانا شبلی نعمانی: تذکرہ ماہ و سال"، مشمولہ: صحیفہ، شبلی نمبر، شمارہ ۲۱۸۔۲۱۹ (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۴ء)، ص۲۶۔

۳۔ شعرالعجم (حصہ چہارم) کو کافی ضخیم ہونے کے باعث دو حصوں میں شائع کیا گیا تھا۔

۴۔ شبلی نعمانی، رسائلِ شبلی (امر تسر: روز بازار الیکٹرک پریس ہال، ۱۸۹۸ء)، ص۳۔

۵۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلد اول) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۱۵ء)، ص۱۶۶۔

۶۔ ایضاً، ص۱۷۲۔

۷۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلددوم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۱۵ء)، ص۳۔

۸۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلدسوم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۰۹ء)، ص۱۲۔

۹۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلدچہارم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۱۴ء)، ص۲۴۔

۱۰۔ ایضاً، ص۳۲۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ سید سلیمان ندوی، مرتب، مقالاتِ شبلی (تاریخی۔ حصہ اول) جلد پنجم (دیباچہ) (اعظم گڑھ: دارُالمصنّفین، ۱۹۳۶ء)، ص۶۔

۱۳۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلدششم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۰۹ء)، ص۲۹۔

۱۴۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلدہفتم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۱۴ء)، ص۳۶۔

۱۵۔ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی (جلدہشتم) (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، طبع جدید، ۲۰۱۷ء)، ص۲۵۔

۱۶۔ شبلی نعمانی، کلیاتِ شبلی نعمانی (اعظم گڑھ: دارالمصنّفین، ۱۹۳۶ء)، ص۲۹۵۔

۱۷۔ شبلی نعمانی، الفاروق (دہلی: قومی پریس، ۱۹۰۸ء)، ص۸۔

۱۸۔ سید محمد عبداللہ، سر سید احمد خان اور اُن کے نامور رفقا کی نثر کا فکری و فنی جائزہ (لاہور: مکتبہ کاررواں، ۱۹۶۰ء)، ص۳۰۸۔